بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

شوال سے دینی مدارس کا تعلیمی سال شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے اسلاف کی اخلاص و للہیت استغناء اور بے نیازی زہد و تقویٰ کی کیا حالت تھی اور آج ہم اور ہمارے علماء کس مقام پہ کھڑے ہیں۔ اس سے اپنی حالت کا موازنہ کرنا ہو تو کبھی کبھی اپنی سنہری تاریخ کے جھروکے میں جھانک لینا چاہیئے۔

اسلامی تاریخ کے زریں اوراق میں ہمیں بے شمار بزرگوں کے حالات ملتے ہیں جنہوں نے دنیا کی متاع فانی کو ہیچ و حقیر جانا اور ارباب دولت و سطوت کی مادی شان و شوکت ایک لحظہ بھی ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ کر سکی انہوں نے اپنے ان پاکیزہ نفوس کو طمع و لالچ اور ماسوا اللہ کی ہر امید و آس سے پاک و صاف کر دیا تھا۔ وہ اگرچہ دنیا کے علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب اور لوگوں کے اقلیم دل و دماغ کے تاجدار تھے۔ مگر ان کے تمام اوصاف کے گوہر آبدار کا یہی وصف استغناء عن الخلق اور شان بے نیازی رہا۔ انہوں نے ہفت اقلیم و ملک نیمروز کو ایک جو سے بھی حقیر سمجھ کر متاع الدنیا قلیل کہتے ہوئے ٹھکرا دیا۔ ہر آن دنیا کی بے ثباتی اور ہیچ میرزی کی حقیقت ان کے قلوب میں راسخ و ثابت ہوئی۔ اور دنیا کی بڑی سے بڑی پیش کش کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وما اتانی اللہ خیر مما اتاکم بل انتم بھدیتکم تفرحون کیونکہ ایک مومن کی نگاہ میں رب العالمین کی عظمت و سطوت کے سامنے دنیا کی فانی اور مصنوعی طاقت و قوت کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جب کہ یہ سب کچھ چند روزہ متاع اور ڈھلتی چھاؤں ہے اور وما عند اللہ خیر و ابقیٰ یہاں ان خاصان حق اور صلحائے امت کے چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی تابعی جو اقلیم علم و عمل کے تاجدار تھے۔ ارباب دولت اور شہرت و نمود سے دور بھاگتے یہاں تک کہ لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے عام راستوں سے ہٹ کر دور دراز راستوں اور گلیوں کو اختیار کر لیتے کہ لوگوں کی نگاہ سے بچیں۔ ارباب جاہ و سطوت سے اعراض و گریز کا یہ عالم تھا کہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا بلکہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن میرے گھر پہ خلفاء و سلاطین اور مجالس میں امراء و حکام کے آنے کے عوض میں اپنے بیٹے کے دفن کرنے کو ترجیح دوں گا۔

حضرت اعمش جلیل القدر تابعی اور اجلۂ امت میں سے ہیں۔ ساری زندگی زہد و قناعت اور فقر و احتیاج میں

گزری۔ کبھی بھی ضروریاتِ زندگی سے اطمینان حاصل ہوا مگر باایں ہمہ فقر و غربت، امراء و ارباب دولت سے نہ صرف اعراض و بے نیازی کرتے بلکہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے۔ امام شعرانی لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک میسر نہ تھی لیکن اس کے باوجود ان کی مجلس میں اغنیاء اور سلاطین سب سے زیادہ حقیر اور فقیر معلوم ہوتے ہیں۔ فقر و احتیاج کے باوجود جرأت و بیباکی کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام نے کسی ایسے مسئلہ کے بارے میں ان کو لکھا جس سے صحابہؓ کے ایک گروہ پر تنقید مقصود تھی۔ تو انہوں نے شاہی پیغام رساں کے سامنے ہی یہ خط بکری کو کھلا دیا اور کہا کہ اس خط کا یہی جواب ہے۔

اسی عہد کے دوسرے یگانۂ علم و فضل اور یکتا ء زہد و تقویٰ تابعی رجاء بن حیوۃ کا بھی یہی شیوہ رہا کہ امراء و سلاطین کے ہاں حاضری اور حاجب و دربان کی منت سے ہمیشہ اجتناب کرتے اور اگر کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھ کو اس رب العالمین کی ذات کافی ہے جس کے لئے میں نے ان کو چھوڑا۔ ان کی زندگی کا اہم کارنامہ اور ملت محمدی ﷺ پر ان کا بڑا احسان یہ ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے انہی کے مشورہ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز (مجدد اول) کو خلیفہ نامزد کیا۔ خانوادہ فاروقی کے گل سرسبد اپنے جد امجد سیدنا عمر فاروق رضؓ اور اپنے نامور والد حضرت عبداللہ کے سچے جانشین حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضؓ کا بھی امراء کی داد و دہش سے بے نیازی کا یہی عالم تھا کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک جب حج کرنے آیا اور کعبۃ اللہ میں حضرت سالم بن عبداللہ سے درخواست کی کہ اپنی حاجات اور ضروریات بیان فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے گھر میں کسی غیر سے مانگوں۔

محبت الٰہی سے سرشاران فقراء و زہاد نے فقر و فاقہ اور شدت بھوک کے باوجود غیر اللہ سے طمع و لالچ تو کیا مشتبہ چیزوں تک سے احتراز کیا۔ مولانا گیلانی مرحوم نے خطیب بغدادی کے حوالے سے حضرت جنید بغدادیؒ کے بارہ میں روایت درج ہے کہ حضرت حارث محاسبی ایک مرتبہ ان کے سامنے آئے چہرے سے معلوم ہوا کہ بہت بھوکے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے کھانا حاضر کرنے کی اجازت طلب کی جب اجازت ہوئی تو اکرام ضیف کے خیال سے حضرت جنیدؒ نے بجائے اپنے گھر، اپنے چچا (جو بہت دولت مند تھے) کے ہاں سے مختلف اقسام کے کھانوں کا سجا ہوا خوان لا کر پیش کر دیا۔ حضرت حارث نے ایک لقمہ لیا اور منہ میں گھماتے رہے لیکن نہ نگل سکے اور جب کھڑے ہو کر چلنے لگے تو دروازہ پہ پہنچ کر اس لقمہ کو بھی اگل دیا۔ حضرت جنیدؒ نے وجہ پوچھی تو فرمایا بھائی میری ناک مشتبہ کھانے کی بو کو برداشت ہی نہیں کر سکتی۔

ریاستہائے متحدہ آگرہ و اودھ کے انگریز گورنر نے حضرت شیخ فضل الرحمن گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس ارادہ کی اطلاع پھیلتے پھیلتے حضرت کے قصبہ گنج مرادآباد پہنچی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کو سختی سے کچلا گیا تھا۔ اور انگریز کے دبدبہ اور ہیبت سے رعایا ہر وقت لرزاں و ترساں رہتی۔ ایسے وقت میں ایک انگریز گورنر کی آمد کی خبر سے گنج مرادآباد میں ہل چل مچ جانا لازمی بات تھی۔ گاؤں کی پوری آبادی گورنر کے استقبال وغیرہ کی تیاریوں میں لگ گئی۔ ادھر مریدوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ خانقاہ شیخ میں نہ تو کوئی کرسی ہے نہ ڈیسک۔ جب کہ گورنر بغیر اس کے بیٹھ نہیں سکے گا۔ شیخ جو ابھی تک اس ہنگامہ سے بے خبر یادِ الٰہی میں محو تھے اس تگ و دو کی وجہ دریافت فرمانے لگے۔ جواب میں کہا گیا کہ ولایت متحدہ کے گورنر حضرت سے ملنے آرہے ہیں۔ اور یہاں اس کے شایانِ شان ایک کرسی تک نہیں شیخ نے اس خبر کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہوئے لوگوں کے اس اہتمام اور دوڑ دھوپ پر سخت ناگواری ظاہر کی۔ اب شیخ نے چاہا کہ ان کو اربابِ دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا ایک ناقابلِ فراموش درس دیں اور انہیں یہ بتلا دیں کہ اہلِ دین کی نظروں میں دنیاوی اقتدار اور شوکت ہیچ ہے۔ اور ایک مومن کا دل کبھی ان فانی عظمتوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔

شیخ نے اچانک خدام سے دریافت فرمایا کہ یہاں خانقاہ میں پانی کا مٹکا نہیں؟ جواب ملا کہ ہاں موجود ہے۔ تو فرمایا کہ اسے میرے نزدیک الٹا رکھ دیجئے۔ تاکہ گورنر آکر اس پر بیٹھ سکے۔ خدام حیرت سے خاموش رہے۔ جب گورنر آئے تو محبوبِ حقیقی کی عظمتوں میں مستغرق شیخ نے عام لوگوں کی طرح دیر تک اس سے باتیں کیں۔ کسی بات سے بھی یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ وہ کسی ذی جاہ اور صاحبِ اقتدار حاکم سے باتیں کر رہے ہیں بلکہ حضرت شیخ نے گورنر کی حکومت پر تنقید کی۔ اور کہا کہ رشوت ستانی اور ظلم تمہاری حکومت میں عام ہو گیا ہے۔ گورنر کے ساتھ اس کی بیوی بھی آئی تھی جو قریب ہی بیٹھی تھی۔ حضرت نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ تم لوگوں میں شرم اور حیا کی کمی ہے۔ گورنر آخر تک سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

اور آج ہماری عمومی حالت کیا ہے؟ ع

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل